اصلاحِ عقائد کے لیے سرسیّد کی کوششیں

سرسید کے زمانے میں ہندوستانی مسلمانوں کی مذہبی حالت بہت خراب ہوگئی تھی۔ صدیوں کے دوران میں وہ رفتہ رفتہ صحیح اسلامی تعلیمات اور اس کے اصول و مقاصد سے دور ہوگئے تھے اور غیر محسوس طریقہ پر اس ملک کی غیر مسلم قوموں کے ایسے عقائد و نظریات، رسوم و رواج اور توہمات اختیار کر لیے تھے جو درحقیقت اسلامی تعلیمات کے خلاف تھے۔ مسلمانوں کے اس غلط طرزِ عمل اور ملک کے بدلے ہوئے حالات نے ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کے مستقبل کے لیے شدید خطرات اور اہم مسائل پیدا کر دیے تھے۔ اور اسلام کے فروغ و استحکام اور مسلمانوں کی بقا و ترقی اور فلاح و بہبود کے لیے ان کے عقائد و نظریات کو درست کرنا بھی نہایت ضروری تھا۔ سرسیّد نے اس ضرورت کو شدت سے محسوس کیا اور اپنی اصلاحی تحریک میں دینی عقائد کی درستی کو بنیادی اہمیت دی۔ سرسید کو اس بات کا رنج تھا کہ مسلمان غیر اسلامی چیزوں کو اسلامی تصور کر کے ان پر عمل کرتے ہیں جس کی وجہ سے ایک طرف تو ان کی دینی و معاشرتی حالت بگڑ گئی ہے اور دوسری طرف اسلام کی بدنامی ہوتی ہے۔ کیونکہ لوگ مسلمانوں کی حالت کو دیکھ کر اسلام کے متعلق غلط رائے قائم کر لیتے ہیں اور مسلمانوں کی زبوں حالی کو اسلامی تعلیمات کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔ اس غلط خیال کو دور کرنے اور مسلمانوں کی دینی و معاشرتی حالت کو بہتر بنانے کے لیے سرسید نے مسلمانوں کے عقائد و نظریات درست کرنے کی ضرورت و اہمیت واضح کی اور اس مقصد کے لیے موثر جدوجہد شروع کر دی۔

اس وقت سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ ہندوستان پر عیسائیوں کی حکومت قائم ہوگئی تھی اور ان کے تبلیغی ادارے جن کو حکومت کی سرپرستی بھی حاصل تھی، مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے کے لیے

اسلام پر طرح طرح کے الزام عائد کرتے تھے۔ لیکن مسلمان اپنے مذہب کی حقیقت سے ناواقف ہونے کی بنا پر ان کی موثر تردید نہ کر سکتے تھے اور عیسائی پروپیگنڈہ سے ان کے گمراہ ہو جانے کا قوی اندیشہ تھا۔ اسلام کے دشمنوں نے عیسائیوں کے ذہن میں یہ بات بٹھا دی تھی کہ اسلام انسانی ترقی اور تہذیب و تمدن کا مخالف اور خون آشام مذہب ہے اس لیے عیسائی مسلمانوں کو بہت خطرناک تصور کرتے تھے۔ چونکہ انگریزوں نے ہندوستان کی حکومت مسلمانوں سے چھینی تھی اس لیے وہ ان کو اپنا شدید مخالف سمجھتے تھے۔ ۱۸۵۷ء کی شورشِ عظیم نے ان کے اس اندیشہ کو درست ثابت کر دیا تھا کہ اگر مسلمانوں کو موقع مل گیا تو وہ اپنا کھویا ہوا اقتدار حاصل کرنے کی پوری کوشش کریں گے۔ اس لیے انگریزوں کی پالیسی مسلمانوں اور اسلام کی مخالفت پر مبنی تھی اور انھوں نے جو طریقۂ تعلیم نافذ کیا وہ مسلمانوں کے دینی عقائد میں شکوک و شبہات اور انتشار پیدا کرنے والا تھا چونکہ مسلمان اسلام سے صحیح طور پر واقف نہ تھے اور نئے نظامِ تعلیم میں ان کی مذہبی تعلیم و تربیت کا انتظام نہ تھا اس لیے نئے تعلیم یافتہ مسلمانوں میں اسلام سے بدگمانی پیدا ہو جانے کا قوی امکان تھا اور بدلے ہوئے حالات میں مسلمانوں کے لیے جدید انگریزی تعلیم حاصل کرنا بھی نہایت ضروری تھا۔ یہ وہ بڑے خطرات تھے جن پر غالب آنا ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کے تحفظ کے لیے بہت ضروری تھا اور سرسید نے ان تمام خطرات کا مقابلہ کرنے کی پوری کوشش کی۔ چنانچہ انھوں نے مسلمانوں کے دینی عقائد کی اصلاح کے لیے اسلامی تعلیمات کو صحیح طور پر پیش کیا۔ عیسائیوں کے اعتراضات کا مدلل جواب دیا۔ انگریزی حکومت کی غلط فہمیاں دور کرنے کی کوشش کی اور جدید انگریزی تعلیم کے ساتھ ساتھ مذہبی تعلیم و تربیت دینے کے منصوبہ کو بڑی خوبی اور کامیابی سے عملی شکل دی۔

مذہب کی سچائی اور فضیلت کا معیار

عقائد و نظریات کو درست کرنے کے لیے سرسید نے یہ کوشش کی کہ اسلام کا صحیح تصور مسلمانوں کے ذہن میں بیٹھ جائے اور وہ اس حقیقت سے آگاہ ہو جائیں کہ دوسرے مذاہب کے مقابلے میں اسلام کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ وہ محض عبادات اور رسوم و رواج کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ

زندگی کے ہر شعبہ میں انسان کی صحیح رہنمائی کرنے والا دین ہے۔ کیونکہ اس کا مقصد انسان کی پوری زندگی کو سنوارنا اور نکھارنا ہے۔ اسلام کے اس دعوے کی صداقت کا ثبوت یہ ہے کہ اس کے تمام اصول فطرتِ انسانی کے مطابق ہیں اور اس کی کوئی تعلیم ایسی نہیں ہے جو انسان کے مرتبہ کے منافی ہو یا جس پر عمل کرنا اس کے امکانات سے باہر ہو۔ اسلام کے بارے میں سرسید نے یہ خیال ظاہر کیا کہ کوئی مذہب ایسا دنیا میں نہیں ہے جو دوسرے مذہب پر گو وہ کیسا ہی باطل کیوں نہ ہو اپنی ترجیح بہ ہمہ وجوہ ثابت کر دے مگر یہ رتبہ صرف اسی مذہب کو حاصل ہے جو نیچر کے مطابق ہے۔ اور میں یقین کرتا ہوں کہ وہ صرف ایک مذہب ہے جس کو میں ٹھیٹ اسلام کہتا ہوں۔ اور جو بدعات، محدثات سے اور غلط خیالِ اجماع سے اور خطائے اجتہادات سے اور ڈھکوسلۂ قیاسات سے اور شکنجۂ اصولِ فقہ مخترعہ سے مبرا و پاک ہے۔" مذہب کی سچائی اور برتری کا معیار سرسید نے یہ قرار دیا کہ اس میں کوئی بات قانونِ فطرت کے برخلاف نہ ہو۔ کیونکہ قانونِ فطرت درحقیقت خدا کا فعل ہے اور جو مذہب واقعی خدا کا بھیجا ہوا ہوگا وہ خدا کا قول ہوگا۔ پس اس کے فعل اور اس کے قول میں مطابقت ہونا ضروری ہے۔ مذہب کو جانچنے کے اسی معیار کے مطابق انھوں نے اسلام کی سچائی اور فضیلت کو تسلیم کیا اور ۱۸۸۴ء میں لاہور میں اسلام پر تقریر کرتے ہوئے یہ خیال ظاہر کیا کہ اسلام فطری دین ہے اس کے اصول فطرت کے مطابق ہیں۔ منطق و فلسفہ اور علم طبیعی میں کتنی کچھ تبدیلی کیوں نہ ہو اور ان کے مسائل اسلام کے مخالف ہی کیوں نہ معلوم ہوں اسلام ہی برحق اور سچا ہے۔ اسلام فطرتِ انسانی کے مطابق ہے اور یہی اس کی سچائی کا ثبوت ہے۔ اسلام کے مسائل دو قسم کے ہیں منصوصی اور اجتہادی خدا اور خدا کی وحدانیت پر ایمان اور تصدیقِ نبوت اسلام کے دو بنیادی رکن ہیں، اور اسلامی احکام کا وہ حصہ جس کو تمام مسلمان علم من عنداللہ سمجھتے ہیں اور جس کی نسبت یقین رکھتے ہیں کہ وہ جس طرح خدا کی طرف سے نبی آخرالزماں کے دل میں القا ہوا ہے اسی طرح بے کم و کاست نبی سے ہاتھوں ہاتھ ہم تک پہنچا ہے۔ اس کی پوری طرح تعمیل کرنا لازمی ہے۔ اور یہ حصہ اس بات کا استحقاق رکھتا ہے کہ اس میں جو بات مسائل فلسفہ و حکمت کے خلاف معلوم ہو اس میں اور مسائلِ حکمت میں تطبیق کی جائے یا

مسائل حکمیہ کی غلطی ثابت کی جائے۔ لیکن اجتہادی مسائل صحیح بھی ہو سکتے ہیں اور غلط بھی۔ اور ان میں جو غلط ہوں ان کی اصلاح کرنے کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ کیونکہ اجتہادی مسئلہ مجتہد کا خیال ہے جو خطا سے معصوم نہیں۔ چنانچہ اجتہادی مسائل اگر فطرتِ انسانی کے برخلاف ہوں تو اس سے اسلام پر حرف نہیں آتا۔ اور اصل اسلام کی جو روشنی ہے اس میں کچھ نقص نہیں آتا۔

دین و دنیا میں تفریق کا غلط رجحان

اسلام نے دین اور دنیا میں تفریق کرنے کے بجائے ان میں ہم آہنگی پیدا کی ہے اور دونوں کی بہتری کے طریقے بتلائے ہیں۔ لیکن غیر اسلامی اثرات کے تحت مسلمانوں میں دین اور دنیا میں تفریق کرنے کا رجحان پیدا ہو گیا۔ سرسید کے عہد میں مسلمانوں کی اصلاح میں یہ خیال ایک بڑی رکاوٹ تھا کہ اصل چیز تو صرف نجاتِ اخروی ہے۔ دنیاوی نعمتیں حاصل کرنے کی خواہش بڑی گمراہی ہے۔ اس عقیدے نے مسلمانوں میں اس قدر غلط احساس پیدا کر دیا تھا کہ وہ اپنی تباہ حال زندگی کو سنوارنے اور ترقی کرنے کے خیال سے غافل ہو گئے تھے۔ اس رجحان کو ختم کر کے لوگوں کو اپنی حالت کو بہتر بنانے پر متوجہ کرنے کے لیے سرسید نے ان کو یہ بتلایا کہ نجاتِ ابدی جو ہر سچے مذہب یا سچے دین کا نتیجہ ہے وہ دنیا کے ساتھ لازم و ملزوم نہیں ہے۔ ایک ایسا شخص جس نے تمام عمر عسرت و تنگی میں بسر کی ہو سچے مذہب کی بدولت نجاتِ ابدی حاصل کر سکتا ہے، اور جس نے لاکھوں کروڑوں روپے جائز طور پر پیدا اور صرف کیے ہوں وہ بھی سچے مذہب کی بدولت نجاتِ ابدی پا سکتا ہے۔ دنیا اور دین میں ایسا مستحکم رشتہ ہے جو کسی طرح ٹوٹ نہیں سکتا جس طرح بدبختی سے دنیا دین کو غارت کر دیتی ہے اسی طرح خوش بختی سے دنیا دین کو سنوار بھی دیتی ہے۔ فرض کرو کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے پاس دولت و حکومت اور منصب نہ رہے۔ سب مفلس اور نانِ شبینہ کو محتاج ہوں۔ اور دربدر بھیک مانگتے پھریں۔ اور ان کی اولاد جاہل اور نالائق، چور اور بدمعاش ہو۔ تو اس وقت ان کے دین کا کیا حال ہو گا۔ پیٹ ایک ایسی چیز ہے کہ دین رہے یا جاوے، خدا ملے یا نہ ملے، اس کو بہرحال بھرنا ہے۔ پیٹ بھرنے کے لیے بڑے دینداروں کی نسبت تو یہ خیال ہو سکتا ہے کہ کسی جنگل میں گھاس چھیل رہے ہیں۔ کسی پہاڑ پر لکڑیاں چن رہے ہیں یا کسی کا گھوڑا مل رہے ہیں۔ لیکن جو ایسے پکے دیندار

نہیں ہیں وہ کیا کریں گے۔ معلوم نہیں کہ ان سے جیل خانے اور نو آباد جزائر بھریں گے یا یتیم خانے اور کلیسیا رونق پاویں گے۔ پس ایسی حالت میں خیال کرنا چاہیے کہ دین اسلام کی کیا شان ہوگی۔ اگر مسلمانوں کی حالت اتنی خراب ہو جائے کہ واعظین کو جو محض ریاکاری اور مکاری سے دنیا کماتے پھرتے ہیں کوئی ٹکا دینے والا یا حرام کا لقمۂ تر کھلانے والا نہ رہے۔ جناب حضرت پیر جی صاحب جو لوگوں کو مرید کر کے اپنا لشکر بناتے پھرتے ہیں اور سالانہ ٹیکس یا جزیہ ان پر مقرر کرتے ہیں ان کو کوئی دینے والا نہ رہے۔ یا جناب مولوی صاحب قبلہ جو حدیث و تفسیر یا صدرا و شمس بازغہ پڑھاتے ہیں ان کو کوئی چار پیسے کا نوکر رکھنے والا نہ رہے۔ اس وقت ان سب کو یہ پتہ چلے گا کہ مسلمانوں میں دنیاوی ترقی و تہذیب اور تربیت و شائستگی میں کوشش کرنا اور امر معاش میں منہمک ہونا امر معاد سے غفلت برتنا ہے یا یہ کام خاص خدا کا، اور بالکل دین کا اور سر تا سر معاد کا ہے۔

سرسید کا یہ خیال تھا کہ اگر مسلمانوں کی دنیاوی حالت اچھی ہوگی تو اس سے ان کے دین کی بھی عزت اور توقیر بڑھے گی اور اگر وہ دنیاوی اعتبار سے ذلیل و خوار ہوں گے تو ان کی اس حالت سے ان کے دین پر بھی برا اثر پڑے گا۔ چنانچہ ایسی حالت میں جب کہ مسلمان معاشی تباہی، معاشرتی بدحالی اور علم سے محرومی کے باعث روز بروز پست سے پست تر ہوتے جا رہے تھے اور ذلیل و حقیر سمجھے جاتے تھے اس بات کی کوشش کرنا کہ مسلمانوں میں قومی ترقی ہو۔ علوم دینی قائم رہیں۔ علوم دنیاوی جو مفید و کارآمد ہیں ان کا رواج اور ترقی ہو۔ لوگ معاش سے فارغ البال ہوں۔ اکل حلال پیدا کرنے کے وسیلے ہاتھ آویں۔ حسن معاشرت میں جو نقص ہیں وہ رفع ہوں۔ جن بری رسموں اور خراب عادتوں سے غیر قومیں مسلمانوں کو، اسلام کو حقیر و ذلیل سمجھتی ہیں وہ موقوف کی جاویں جو خلاف شرع تعصبات و توہمات ہیں اور ہر طرح کی ترقی کے مانع ہیں وہ دور کیے جاویں۔ سرسید کے نزدیک محض دنیا پرستی نہ تھی بلکہ عین دینداری بھی تھی۔

عبادت کا مفہوم

عبادت کے متعلق مسلمانوں میں جو غلط تصور قائم ہو گیا تھا [illegible] اس کی اصلاح کرنے کی بھی

کوشش کی۔ لوگ اس چیز کو بھول گئے تھے کہ ایک فطری دین اس چیز کو پسند نہیں کر سکتا کہ عبادت قانونِ فطرت کے خلاف ہو اور انسان ان تقاضوں کو پورا نہ کرے جو فطرت نے اس پر عائد کیے ہیں۔ عبادت کے صحیح مفہوم سے ناواقف لوگوں کا خیال یہ تھا کہ تمام رات نماز پڑھنا، ہمیشہ دن کو روزہ رکھنا یا کبھی شادی نہ کرنا قابلِ تعریف عبادت ہے۔ لیکن عبادت کا یہ ایسا تصور ہے جس کو خود حضور رسالت مآبؐ نے غلط قرار دیا ہے۔ سرسید نے حضورؐ کے اس خیال کو سند قرار دے کر مسلمانوں کو یہ بتلایا کہ "اصلی اور سچی عبادت وہی ہے جو قانونِ قدرت کے اصول کے مطابق ہو۔ اور تمام نیکیاں اور عبادتیں جو قانونِ قدرت کے برخلاف ہوتی ہیں پوری نیکیاں اور عبادتیں نہیں ہوتیں۔ تمام قوٰے جو خدا تعالیٰ نے انسان میں پیدا کیے ہیں وہ اس لیے پیدا نہیں کیے کہ وہ بیکار کر دیے جاویں بلکہ اس لیے پیدا ہوئے ہیں کہ سب کام میں لائے جائیں۔ اسلام نے ان قوٰے کے کام میں لانے کا ایسا طریقہ بتایا ہے جس سے جملہ قوٰے اعتدال پر اور شگفتہ و شاداب رہیں اور ایک کے غلبہ سے دوسرا بیکار اور پژمردہ نہ ہو جاوے۔ مگر بہت ہی کم لوگ ہیں جو اس نکتہ کو سمجھتے ہیں اور اس طریقہ کو جس کو ہمارے پیغمبرِ خدا صلعم نے رہبانیت قرار دیا ہے اور جس کو ہندی زبان میں جوگ کہتے ہیں کمال عبادت اور انتہائے زہد و تقویٰ قرار دیتے ہیں۔ ہمارے زمانے کے مسلمانوں نے سوائے فرائض کے باقی عبادتوں کو صرف نماز روزہ و تلاوتِ قرآن مجید اور خیالی ترکِ دنیا اور درس و تدریسِ علومِ دینیہ اور اوراد ماثورہ یا وظائفِ مقررۂ پیران ہی میں منحصر کر رکھا ہے حالانکہ انھیں پر ان کا انحصار محض غلط ہے۔ بلکہ ان میں سے بعض ایسے درجہ پر پہنچ گئے ہیں جو قانونِ قدرت کے برخلاف ہیں اور اس لیے مقصودِ شارعؑ نہیں ہیں۔"

زہد و ریاضت

مسلمانوں کے عقائد کو درست کرنے کے لیے سرسید نے اس خیال کو غلط قرار دیا جو زہد و ریاضت کے بارے میں عام طور پر پایا جاتا تھا اور اس بات پر بہت زور دیا کہ جو نیک کام ذکر و اشغال سے زیادہ مفید ہیں وہ بھی عبادت کا درجہ رکھتے ہیں اور ان کو مناسب اہمیت نہ دینا بڑی غلطی ہے۔ چنانچہ انھوں نے یہ واضح کیا کہ ایک بڑی غلطی جس میں مسلمان پڑے ہیں وہ یہ ہے کہ انھوں نے زہد و

ریاضت کو صرف راتوں کو جاگنے اور ذکر و شغل کرنے اور نفل پڑھنے اور نفلی روزے رکھنے پر منحصر سمجھا ہے۔ زہد و ریاضت جہاں تک کہ حد شرعی سے تجاوز نہ کرے بلاشبہ نیکی و عبادت ہے۔ مگر عام فلاح پر کوشش کرنا اور ایسے امور پر کوشش کرنا جو اپنے ہم مذہبوں کے دینی اور دنیوی حال اور مال کی بھلائی و بہتری کے ہوں اس سے بہت زیادہ مفید ہیں۔ زہد و ریاضت ایک بخیل نیکی ہے جو صرف اپنی ذات کے لیے کی جاتی ہے اور اس کی مثال ایسے شخص کی ہے جو ایک کوٹھڑی میں بیٹھ کر کھانا کھاوے اور صرف اپنا پیٹ بھر لے۔ لیکن عام فلاح چاہنے والا جو اس کام میں زہد و ریاضت کرتا ہے اس کی مثال حاتم کی سخاوت کی سی ہے جو ہزاروں آدمیوں کو کھلا کر کھاتا ہے۔ پس کیسی بڑی غلطی ہے کہ تن پروری کو تو عبادت سمجھا جاوے اور اصلی فیاضی اور سخاوت اور ہمدردی کو عبادت نہ سمجھا جاوے۔"

سرسید کے نزدیک حالات کے بدلنے سے عبادت اور ثواب کی نوعیت بدل جاتی ہے۔ چنانچہ کسی مقام میں اگر پانی کا قحط ہو تو اس جگہ بیٹھ کر نفل پڑھنے یا قرآن مجید کی تلاوت کرنے یا ذکر و شغل کی ضرب لگانے سے زیادہ ثواب کا کام یہ ہے کہ کندھے پر مشک لاد کر لوگوں کو پانی پلایا جائے۔ اس لیے ایک ایسے زمانے میں جب کہ مسلمانوں کی حالت بہت خراب ہو گئی ہو ان کی فلاح و ترقی اور بہتری کے لیے کوشش کرنا نفلیں پڑھنے اور رات کو جاگ کر ریاضت کرنے سے زیادہ ثواب کا کام ہے۔

ترکِ دنیا

مسلمانوں کے جو غلط رجحانات ان کے زوال کا باعث بنے اور معاشرہ کی اصلاح و ترقی کے لیے جن کو ختم کرنا سرسید نے ضروری سمجھا ان میں ترکِ دنیا کو عبادت تصور کرنے کا غیر اسلامی عقیدہ بھی شامل تھا۔ اسلام اس کی اجازت تو ہرگز نہیں دیتا کہ انسان اپنے نفس کا بندہ اور دنیاوی لذتوں اور خواہشوں کا غلام بن جائے۔ لیکن وہ یہ ضرور چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو دنیاوی نعمتیں پیدا کی ہیں انسان ان سے مناسب طور پر فائدہ اٹھائے اور ان کو بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود اور ترقی کے لیے استعمال کرے۔ لیکن مسلمان جب اپنے مذہب کی تعلیمات سے دور ہونے لگے تو انھوں نے راہبوں اور جوگیوں کا اثر قبول کر لیا اور ترکِ دنیا کو عبادت خیال کرنے لگے۔ ان کی یہ مفروضہ دینداری درحقیقت دین اور اس کے معاشرتی

مقاصد کے خلاف تھی اور سرسید نے مسلمانوں کو آگاہ کیا کہ "یہ خیال کہ ترکِ دنیا عبادت ہے ایک ایسا غلط اور جھوٹا قول ہے کہ اس سے زیادہ دوسرا نہیں ہو سکتا۔ دنیا ہمارے لیے پیدا ہوئی ہے اور ہم دنیا کے لیے پھر ہم اس کو اس طرح پر جس طرح کہ جھوٹے دنیا ترک کرنے والے ترک کرنے کو کہتے ہیں کیونکر ترک کر سکتے ہیں۔ ہاں جس طرح کہ شارع نے ترکِ دنیا کرنا بتایا ہے اس طرح پر ترک کرنا سچا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ہم دنیا کو اس طرح برتیں جس طرح کہ شارع نے بتایا ہے نہ کہ اپنے جذبات نفسانی کی مرضی پر اور اس کو اس طرح پر کام میں لاویں جس طرح قانونِ قدرت نے ہم کو سکھایا ہے نہ کہ اپنی ہوائے نفسی کے مطابق۔ پس یہ بات سمجھنا کہ امورات دنیا میں مصروف ہونا عبادت نہیں ہے عین غلطی ہے۔ اس کو قانونِ قدرت کے برخلاف استعمال میں لانا شقاوت اور اس کے مطابق برتاؤ میں لانا عین عبادت ہے۔"

سرسید نے اس خدا پرست کو نادان قرار دیا ہے جو صرف خدا کی محبت اور دنیا سے نفرت کا طلبگار ہو۔ جس کو زہد و تقویٰ کے سوا اور کچھ کام نہ ہو اور دنیا کی طرف سے نہایت عاجز و ذلیل اور بے استطاعت و بے مقدور ہو اور جو نہ خود عزت سے رہ سکے اور نہ دوسروں کو فائدہ پہنچا سکے۔ اور اس کے برعکس ایسے دنیادار کو بہت دانا سمجھتے ہیں جو نیک کاموں کے لیے دنیا اور اس کی نعمتوں کا طلب گار ہو اور دنیا کی جاہ و حشمت سے مالا مال ہو کر قوم کی بھلائی اور ترقی کے اسباب مہیا کرے۔ کیونکہ ان کے نزدیک "طوطے کی طرح اللہ اللہ جپنا اور یا ہو کبوتر کی طرح غوٹر غوں غوٹر غوں کرنا اللہ کی یاد نہیں ہے بلکہ اس نے جو چیزیں مرحمت کی ہیں ان کو اسی کے کام میں صرف کرنا خدا کی یاد ہے۔ خدا تعالیٰ نے ہم کو تمام نعمتیں اس لیے عطا کی ہیں کہ ہم خود بھی ان سے فائدہ اٹھائیں اور اوروں کو بھی فائدہ پہنچائیں۔"

جس زمانہ میں سرسید علی گڑھ میں مدرسۃ العلوم قائم کرنے کی کوشش کر رہے تھے دہلی کے نامور عالم اور مفسر قرآن مولانا عبدالحق دہلوی نے مدرسہ کے مقاصد پر کچھ اعتراضات کر کے دنیا اور اس کی تمام چیزوں کو ناپائیدار قرار دے کر یہ نصیحت کی کہ انسان ہر دم کو دمِ واپسیں جانے اور اللہ کی یاد سے غافل نہ ہو۔ سرسید نے مدرسہ کے متعلق غلط فہمیوں کو دور کرنے کی کوشش کی اور مولانا کی نصیحت کا یہ جواب دیا کہ "بلاشبہ یہ عمدہ نصیحت ہے۔ مگر یہ ایسی بات ہے [illegible] عالم و جاہل سب جانتے ہیں۔ مگر افسوس کہ

کرتا کوئی نہیں۔ اگر آپ خود ہی اس پر عمل رکھتے ہوتے تو آخیر خط میں یہ ارقام نہ فرماتے "نحن منتظر الجواب" کیونکہ آپ کو یقین تھا کہ آپ میرا جواب پہنچنے تک زندہ رہیں گے۔ اس وقت آپ کو اپنی اس نصیحت کا کہ ہر دم کو دم واپسیں جاننا چاہیے کیوں خیال نہ رہا؟ میں نہایت ادب سے پوچھتا ہوں کہ آپ نے اپنے رہنے کی کبھی کوئی کچی یا پکی حویلی بھی بنوائی ہے؟ کبھی اپنے رہنے کے لیے چھپر ڈلوایا ہے؟ آپ کے پاس پہننے کے جوڑے ہیں؟ ان میں سے ایک تو آپ پہنے ہوئے ہوں گے اور باقیوں کو آئندہ پہننے کے لیے رکھا ہوگا۔ کم سے کم نانبائی کو صبح و شام کی روٹی پکانے کا حکم دیتے ہوں گے، اور اس ماہ مبارک رمضان میں سحری کے لیے بھی کچھ ضرور اٹھا رکھتے ہوں گے۔ مگر آپ کو اس نصیحت پر کبھی عمل کرنے کا اتفاق نہیں ہوتا کہ شاید ہمیں نفس نفیس واپسیں بود۔ پس جس بات پر کہ آپ کبھی عمل نہیں فرماتے دوسروں کو اس کے کرنے کی کیوں نصیحت فرماتے ہیں۔ جناب ایسی باتیں کہہ دینی اور لکھ دینی آسان ہیں مگر اس پر کسی کو عمل کرتے نہیں دیکھا۔

"بندہ نے بھی زمانہ دیکھا ہے۔ بڑے بڑے مقدس عالموں کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ بڑے بڑے بزرگوں اور درویشوں کی جوتیاں سیدھی کی ہیں مگر ایمن نورانی کا سب کو محتاج پایا۔ پھر بھلا آپ ایسی باتیں جاہل مسلمانوں کے برباد کرنے کو کیوں فرماتے ہیں؟ ہمارے دین میں کچھ تنگی نہیں ہے۔ جس سے خدا اور رسولؐ نے منع فرمایا ہے اس سے ہم کو پرہیز کرنا چاہیے۔ اور جس چیز سے ہم کو منع نہیں کیا وہ ہمارے لیے حلال اور مباح اور خدا کی نعمت ہے۔ ہم کو شریعت محمدیہ کی مطابقت میں خدا کی نعمتوں کو لوٹنے دو۔ وہ تو ہمارے خدا کی نعمتیں ہیں اور اس نے ہمارے لیے بنائی ہیں۔ پھر ہم نہ لوٹیں گے تو کون لوٹے گا۔ ہاں خدا سے یہ دعا مانگو کہ ہم ان نعمتوں کے سبب سے مغرور نہ ہو جائیں اور اپنے خدا کو جس نے وہ نعمتیں ہمارے لیے وقف کر دی ہیں بھول نہ جائیں۔" سرسید کے اس جواب سے یہ بخوبی واضح ہوتا ہے کہ جو لوگ دنیا اور اس کی نعمتوں کو ناپائیدار قرار دے کر ترک دنیا کی تعلیم دیتے ہیں وہ خود بھی اس پر عمل نہیں کر سکتے۔ ان میں اتنی ہمت، طاقت اور صلاحیت نہیں ہوتی کہ اپنی تباہ حال قوم کو زوال و ادبار کی پستیوں سے نکال کر راہ ترقی پر گامزن کر سکیں اس لیے وہ دینداری کا سہارا لے کر ایسی باتیں کہتے ہیں جو دین کے

خلاف ہوتی ہیں اور جن کا نتیجہ قوم کے حق میں مزید تباہیوں کی شکل میں نکلتا ہے۔

پاک اور ناپاک علوم

غلط اور گمراہ کن نظریات نے مسلمانوں میں جو نقصان رساں عقائد پیدا کر دیے۔ اور جن کو دُور کیے بغیر معاشرہ کی حالت کو بہتر بنانا ناممکن نہیں ہے ان میں یہ غلط خیال بھی شامل ہے کہ صرف دینی علوم کی تحصیل تو عبادت میں داخل ہے لیکن دنیاوی علوم کو حاصل کرنا بے دینی اور گمراہی کا ثبوت ہے۔ علمِ دین فقہ، تفسیر اور حدیث تک محدود ہے اور جو شخص ان کے علاوہ کوئی اور علم حاصل کرتا ہے وہ خبیث بن جاتا ہے علم کے متعلق یہ نظریہ سرسید نے غلط قرار دے کر یہ واضح کیا کہ اسی سبب سے مسلمانوں میں روز بروز علم کا تنزل ہو رہا ہے جس کی وجہ سے خود علم دین بھی معدوم ہوتا جاتا ہے۔ علوم دینیہ کا صرف جاننا نہ کچھ عبادت ہے اور نہ کچھ ثواب۔ البتہ وہ اس وقت عبادت یا ثواب ہو سکتا ہے جب کہ اس کو امور دینی کے کام میں لانے کی نیت سے پڑھا جاوے۔ پس مدارِ عبادت و ثواب نیت پر رہا نہ کہ نفسِ علم پر۔ اور یہی حال تمام باقی علوم کا ہے۔ وہ تمام علوم جن کو دنیوی کہتے ہیں ترقی و استحکام اور تعلّی علوم دینی کے لیے بھی ضروری ہیں۔ گو ان کا پڑھنا بھی فی نفسہٖ عبادت نہ ہو جیسا کہ علوم دینیہ کا پڑھنا بھی فی نفسہٖ عبادت نہیں ہے۔ مگر جب کہ علوم دنیوی اس نیت سے پڑھے جاویں یا پڑھائے جاویں کہ یہ علوم دینیہ کے لیے مثل آلہ کے ہیں تو ان کا پڑھنا یا پڑھانا بھی ویسا ہی عبادت ہے جیسا کہ علوم دینیہ کا ہے۔

"علاوہ اس کے علوم دنیوی بھی اگر ان کی تعلیم نیک طرح پر ہو تو باعث ترقی ایمان ہوتے ہیں۔ ہم ریاضی پڑھ کر خدا تعالےٰ کی اس قدرتِ کاملہ سے واقف ہوتے ہیں جو خلقِ آسمان و زمین و کواکب و سیارہ و ثوابت میں کام آتی ہے۔ جس وقت ہم علمِ ارض پڑھتے ہیں تو ان عجائبات سے واقف ہوتے ہیں جو خدا تعالےٰ نے اس کرۂ خاک میں بنائے ہیں۔ علم نباتات اور علم حیوانات سے جب ہم واقف ہوتے ہیں تو پھولوں کی پنکھڑیوں کی رنگ آمیزی اور مکھی کی آنکھ کی بچی کاری ہم کو حکیم مطلق کی حکمتِ کاملہ پر یقین دلاتی ہے۔ اسی طرح تمام علوم ہماری معرفت کو قوت بخشتے اور خدائے واحد پر ہمارے ایمان کو اور مستحکم کرتے ہیں۔ اور اس اعتبار سے اگر ہم ان علوم کو بھی علوم دینیہ میں شامل سمجھیں تو کچھ بعید نہیں۔ خدا تعالےٰ

نے ہم کو ایسا عمدہ مذہب دیا ہے جو ہمارے معاد اور معاش دونوں کو قانونِ قدرت کے مطابق اصلاح کرنے اور ترقی دینے والا ہے۔ ہم یہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اگر تمام لوگ صرف علوم دنیوی کی تحصیل کریں تو دین کا کیا حال ہوگا۔ اسی طرح یہ سمجھ سکتے ہیں کہ اگر تمام لوگ صرف علوم دینی پڑھا کریں تو ہماری دنیا کا، جس کی اصلاح شریعت سے خارج نہیں ہے، کیا حال ہوگا۔ علوم دنیاوی کے معدوم ہونے سے دین اور علوم دینی دونوں کے معدوم ہونے کا قوی اندیشہ ہے۔ پس ہمارا فرض ہے کہ ہم دونوں قسم کے علوم کی ترویج پر سعی و کوشش کریں اور ایک کو دوسرے کا آلہ سمجھ کر دونوں کو پڑھنا اور پڑھانا داخل عبادت جانیں۔"

ثواب اور اس کا مقصد

مسلمانوں کا ایک اور عقیدہ جس کو سرسید معاشرہ کی اصلاح و ترقی کے لیے بدلنا چاہتے تھے ثواب کا غلط تصور تھا۔ چند ایسے کام تھے جن کو کرنا مسلمانوں کے خیال میں کارِ ثواب تھا اور مسلمان یہ سمجھ کر ثواب کے یہ کام انجام دیتے تھے کہ اس کے بدلے میں ان کو جنت ملے گی۔ سرسید کے نزدیک ثواب کا یہ تصور بہت محدود، غلط اور خود غرضی پر مبنی تھا۔ اور انھوں نے اس خیال کو بدلنے کی کوشش کی۔ عام طور سے ثواب کے جو غلط معنی لیے جاتے تھے ان کو واضح کرتے ہوئے سرسید نے یہ بتلایا کہ جب ہم پچھلے زمانے پر نظر کرتے ہیں تو قومی ہمدردی کی بہت سی نشانیاں پاتے ہیں۔ ہر طرف ہزاروں کھنڈرات مسجدوں، پلوں، کنوؤں اور مہمان سراؤں کے نظر آتے ہیں۔ ہزاروں لاکھوں روپے لگا کر لوگوں نے مہمان سرائیں بنوائیں۔ کنوئیں کھدوائے۔ اور پل بنوائے۔ سنہری مسجدیں بنوائیں جن کے بڑے بڑے برج سونے کے کام سے مزین تھے۔ سنگ مرمر کی مسجدیں بنوائیں جو موتی مسجد کے نام سے مشہور ہوئیں۔ بڑی بڑی عالیشان خانقاہیں بھی تعمیر کیں جن کے نشانات اب بھی پائے جاتے ہیں۔ لیکن مدرسوں کے کچھ زیادہ نشانات نہیں ملتے۔ تاہم کئی مدرسے بھی قائم کیے گئے جن کا ذکر تاریخوں میں ملتا ہے اور کئی مدارس اب بھی جاری ہیں۔ یہ آثار دیکھ کر خیال ہوتا ہے کہ ہم لوگوں میں قومی ہمدردی قدیم سے چلی آتی ہے۔ لیکن جب زیادہ غور کرتے ہیں تو سب دھوکہ ہی دھوکہ نظر آتا ہے۔ جنھوں نے

یہ کام کیے اور کر رہے ہیں ان کے دل سے پوچھو تو معلوم ہوگا کہ یہ سب کام اس خیالی جوش میں کیے ہیں کہ ہم ثواب کے کام میں مصروف ہیں۔ اور ثواب کی گٹھڑیاں باندھ رہے ہیں۔ مرتے ہی یہ سب کام ہم کو بہشت میں لے جاویں گے اور بہشت میں ہم بڑے بڑے درجے پاویں گے۔ ہمارے سر پر تاج ہوگا اور ایک موتی کا محل جنّت میں ملے گا۔ حوریں تصرف کو ہوں گی جن کو ہمارے سوا کسی نے چھوا بھی نہ ہوگا۔ پھر ان کی تعداد چار پر بھی محدود نہ ہوگی۔ بے انتہا جتنی چاہو۔ غلمان بھی نہایت خوبصورت ہوں گے۔ باغ ہوگا۔ میوہ ہوگا۔ نہریں ہوں گی۔ شراب ہوگی۔ پیئیں گے اور چین کریں گے۔" بہشت میں یہ عیش و عشرت حاصل کرنے کے لیے جو کام کیے جاتے ہیں سرسید نے ان کو قومی ہمدردی کے بجائے خود غرضی اور بالکل ایسے ہی کام قرار دیا ہے جیسے کہ ایک رند مشرب دنیا میں انھی عیشوں کو حاصل کرنے کے لیے کرتا ہے۔ اگر باغبانوں کو مزدوری دے کر اپنے چین کے لیے باغ لگوانا۔ مزدوروں کو مزدوری دے کر اپنے آرام کے لیے محل بنوانا اور کلال کو دام دے کر اپنی عیاشی کے لیے شراب کھنچوانا قومی ہمدردی اور کار ثواب نہیں ہے تو پھر وہ کام جو جنت میں عیش کرنے کی غرض سے کیے جاتے ہیں قومی ہمدردی اور ثواب کے کام کیسے ہو سکتے ہیں۔

ثواب کے کاموں کو مسجدوں، خانقاہوں اور تالابوں کی تعمیر تک محدود رکھنے اور جنت میں عیش کرنے کی غرض سے یہ کام کرنے کے رجحان کو بدل کر قوم کی فلاح و ترقی کے لیے تمام ضروری کام انجام دینے پر لوگوں کو متوجہ کرنے کے لیے سرسید نے یہ بتلایا کہ "اسلام کا صحیح مسئلہ یہ ہے کہ اس کام کے کرنے میں ثواب ہے جس کی ضرورت ہے۔ دیکھو کوئی اجر ہجرت سے زیادہ نہ تھا جس کی اس وقت بڑی ضرورت تھی۔ مگر فتح مکہ کے بعد اس کا اجر کچھ بھی نہ تھا۔ جیش اسامہ کی تجہیز کے لیے جو چار ٹکے کا اسباب ابوبکر صدیق رضؓ نے حاضر کیا جس کی ضرورت تھی مگر اب اس کی برابری کوہِ احد کے برابر سونا بھی نہیں کر سکتا۔ یہی سچا اصول مذہبِ اسلام کا ہے۔"

ثواب کے کام

مسلمانوں میں ایسے لوگ بھی تھے جو خدمتِ خلق کو نیکی اور ثواب کا کام سمجھتے تھے۔ اور نیک کام کرنے

کی امکانی کوشش اپنے نقطۂ نظر کے مطابق کرتے تھے۔ لیکن ان لوگوں کا نیکی اور خیر کا تصور چونکہ بہت محدود تھا اس لیے وہ قوم کی فلاح و بہبود کے لیے ضروری امور اور خدمتِ خلق کے زیادہ اہم اور ضروری پہلوؤں پر توجہ نہ کرتے تھے۔ ان کے خیال میں ثواب کے کام بس اسی حد تک محدود تھے کہ مسجدیں بنوا دیں لوگوں کے آرام کے لیے کنوئیں کھدوا دیں۔ اور عبادت و ریاضت میں مصروف رہیں۔ ہندوستان میں مسلمانوں کے سیاسی زوال نے مسلمانوں کو جن مشکلات میں مبتلا کر دیا تھا اور ان کے بگڑے ہوئے حالات نے معاشرتی اصلاح، اقتصادی بہتری اور قومی ترقی کے لیے جن مسائل کو حل کرنا ناگزیر بنا دیا تھا ان پر قابو پانے کی تدبیریں ان کی نظر میں نہ تو نیکی اور ثواب تھیں اور نہ خدمتِ خلق۔ سرسید یہ چاہتے تھے کہ مسلمان اس حقیقت کو محسوس کریں کہ مسلمانوں کی معاشرتی زندگی کے مختلف شعبوں میں جو خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں وہ ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کے وجود کے لیے بہت بڑا خطرہ ہیں۔ اور اس زمانے میں سب سے بڑی نیکی اور سب سے بڑا ثواب کا کام قوم کی خدمت کرنا اور اس کو تباہی و بربادی سے بچانے میں مدد دینا ہے۔ چنانچہ انھوں نے لوگوں کے دل میں یہ خیال بٹھانے کی کوشش کی کہ نیکی بلاشبہ نیک ہے اور ہمیشہ رہنے والی نیکی سب نیکیوں سے افضل و اعلیٰ ہوتی ہے۔ انسانوں میں نیک وہ ہے جو بہت سی نیکیاں کرے مگر سب سے زیادہ نیک وہ ہوگا جس کی نیکیاں سب سے افضل اور اعلیٰ ہوں۔ بعض لوگوں نے پل، مسجدیں اور کنوئیں بنوائے اور ان چند روزہ رہنے والی نیکیوں کو خیر دائم سمجھ لیا۔ بعض لوگوں نے خیر خیرات میں زہد و تقویٰ اور عبادت کو خیر دائم خیال کیا۔ لیکن ان کی یہ نیکیاں خیر دائم نہیں بلکہ چند روزہ ہیں۔ اگر غور سے دیکھا جاوے اور ٹھیک سمجھا جاوے تو بجز رفاہِ عام اور انسان کی بھلائی چاہنے کے اور کوئی نیکی خیر دائم نہیں ہے۔ انسان کی بھلائی نہ تو نیکی کرنے والے کی موت سے ختم ہوتی ہے اور نہ اس زمانے کے انسانوں کے فنا ہونے سے فنا ہو جاتی ہے بلکہ نسل در نسل اور پشت در پشت آئندہ انسانوں میں چلی آتی ہے اور قیام دنیا تک دائم رہتی ہے۔ اس لیے صرف یہی ایک نیکی ہے جس کو خیر دائم کہہ سکتے ہیں۔

"اللہ تعالیٰ نے انسان کی بھلائی چاہنے کی خدمت انبیاء کو عطا کی۔ پس انسان کی بھلائی میں

سعی کرنا انبیاء کا ورثہ لینا ہے۔ اور تمام نیکیوں میں سے افضل اور اعلیٰ نیکی کا اختیار کرنا ہے۔ پس فلاحِ عام کے کاموں کو عباداتِ دینی میں سے نہ سمجھنا اور صرف نوافل اور تسبیح و تہلیل کو عبادت جاننا بہت بڑی غلطی ہے۔ یہ خیر دائم اور بھی زیادہ نیک اس وقت ہو جاتی ہے جب اس کی ضرورت ہو۔ اور موجودہ زمانہ میں اور بالتخصیص مسلمانوں کے لیے اس کی بہت ضرورت ہے۔ اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ صرف تسبیح و تہلیل و زہد و تقویٰ ہی پر تکیہ نہ کریں۔ اور صرف ادائے زکوٰۃ اور قضائے ولدین ہی پر اقتصار نہ کریں بلکہ تھوڑا سا وقت اور دو چار درہم رفاہ و فلاح حالِ مسلمانان کے لیے بھی نکالیں اور خیر دائم کی نیکی کو بھی حاصل کریں۔"

سرسید کو اپنی قوم کی اصلاح و ترقی کی کوششوں میں جو رکاوٹیں پیش آ رہی تھیں ان کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ مسلمان اس کارِ خیر کو محض ایک دنیاوی معاملہ سمجھتے تھے اور اس کو اپنا دینی فرض اور افضل و اعلیٰ نیکی خیال نہ کرتے تھے۔ سرسید کو اپنی مشکلات کا احساس تھا اور وہ ان کو دور کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے مدرسۃ العلوم کی امداد کے سلسلہ میں مولوی محمد علی حسن خاں کو لکھا تھا کہ "ایک عام خیال نسبت حسنات و خیرات و مبرات کے محدود ہو گیا ہے۔ اس خیال کو توڑنا اور یہ بات دل میں ڈالنی کہ درحقیقت جس امر کی مسلمانوں کو ضرورت ہے اور جس کے نہ ہونے سے مسلمانوں کی روز بروز ذلت ہوتی جاتی ہے اور اس کے ساتھ اسلام کی بھی ذلت ہے اس میں تائید کرنا اور اس ذلت سے مسلمانوں کو نکالنا سب سے بڑی حسنات میں شامل ہیں۔"

تقلید پرستی

اسلام ایک ایسا دین ہے جو انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے۔ دنیا کی تمام قوموں کے لیے ہے اور ہر ملک اور ہر زمانے کے لیے ہے۔ جو مذہب اس قدر ہمہ گیر، آفاقی اور دائمی ہو اس کو مختلف زمانوں اور مختلف حالات میں نئے نئے مسائل حل کرنا ہوگا اور زمانے کے تقاضوں کو دینی اصول و مقاصد سے ہم آہنگ کرنا پڑے گا۔ ورنہ انسانی ترقی میں رکاوٹ پیدا ہو گی اور زمانے کا ساتھ نہ دینے والا مذہب محض بے جان عقائد کا مجموعہ بن کر غیر مؤثر ہو جائے گا۔ اسلام نے انسانی معاشرہ کی

اسی ضرورت کو ملحوظ رکھ کر مسلمانوں کو اجتہاد کرنے کا اختیار دیا ہے تاکہ وہ اسلام کے بنیادی اصولوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے زمانے کے نئے نئے تقاضوں کو پورا کر سکیں اور اسلامی معاشرہ کی ترقی میں رکاوٹیں حائل نہ ہوں۔ لیکن جب مسلمان زوال پذیر ہو گئے تو انھوں نے اجتہاد کو ترک کر کے محض تقلید کا طریقہ اختیار کر لیا اور یہ فرض کرنے لگے کہ اجتہاد کی آزادی تو اماموں پر ختم ہو گئی۔ ان کے بعد اجتہاد کی مطلق گنجائش نہیں اور اب مسلمانوں کا کام صرف یہی رہ گیا ہے کہ وہ کسی امام کی تقلید کریں۔ تقلید کے اس غلط تصور نے اسلامی معاشرہ کی ترقی کو روک دیا اور وہ زوال پذیر ہو گیا یہاں تک کہ اس کی حالت انتہائی پست ہو گئی اور مسلمان اسلام سے بہت دور ہو گئے۔

سرسید کے خیال میں مسلمانوں میں تقلید کا یہ رجحان ان کی ترقی میں بہت بڑی رکاوٹ اور ان کے زوال و ادبار کا ذمہ دار تھا۔ وہ اماموں کا احترام کرتے تھے۔ لیکن یہ تسلیم کرنے پر تیار نہ تھے کہ انھوں نے جو رائے قائم کی ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی جا سکتی اور ہمیشہ اسی رائے پر عمل کرنا ضروری ہے۔ اجتہاد کا دروازہ بند کر کے محض تقلید کرتے رہنے سے مسلمانوں اور اسلام کو بہت نقصان پہنچا ہے۔ اور یہ بہت ضروری ہے کہ مسلمان تقلید کے بارے میں اپنا نظریہ بدل دیں چنانچہ محسن الملک کے نام ایک خط میں انھوں نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ "اگر لوگ تقلید نہ چھوڑیں گے اور خاص اس روشنی کو جو قرآن و حدیث سے صحیح حاصل ہوتی ہے تلاش نہ کریں گے اور حال کے علوم سے مذہب کا مقابلہ نہ کر سکیں گے تو مذہب اسلام ہندوستان سے معدوم ہو جائے گا۔ اسی خیر خواہی نے مجھ کو برانگیختہ کیا ہے جو میں ہر قسم کی تحقیقات کرتا ہوں اور تقلید کی پرواہ نہیں کرتا۔ ورنہ آپ کو خوب معلوم ہے کہ میرے نزدیک مسلمان رہنے کے لیے اور بہشت میں داخل ہونے کے لیے ائمہ کبار و رکنار مولوی حبو کی بھی تقلید کافی ہے۔ کیونکہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہہ لینا ہی ایک ایسی طہارت ہے کہ کوئی نجاست باقی نہیں رہتی۔ پس میں دشمن اسلام ہوں یا مثل ابوبکرؓ و عمرؓ کے دوست اسلام ہوں ..... میں سچ کہتا ہوں کہ جس قدر نقصان اسلام کو تقلید نے پہنچایا ہے اتنا کسی چیز نے نہیں پہنچایا۔ سچے اسلام کے حق میں تقلید سنکھیا سے بھی زہر قاتل ہے۔ بلاشبہ ہم نے علماء کو مثل یہود و نصاریٰ کے ارباب من

دون اللہ سمجھ لیا ہے۔ خدا اس گناہ سے سب مسلمانوں کو بچائے۔"

سرسید اسلام اور مسلمانوں کی بقا و ترقی کے لیے اجتہاد کو لازمی خیال کرتے تھے، اور ان کی رائے یہ تھی کہ "متاخرین اہل سنت وجماعت نے عجیب غلط مسئلہ بنایا ہے کہ اجتہاد ختم ہوگیا اور اب کوئی مجتہد نہیں ہوسکتا۔ اکثر علمائے دین کا یہ مذہب ہے کہ ہر زمانہ میں مجتہد کا ہونا ضروری ہے۔ پس کیسی بڑی غلطی اہل سنت وجماعت کی ہے کہ اجتہاد کو ختم اور مجتہد کو معدوم مانتے ہیں۔ اس غلط اعتقاد نے مسلمانوں کو دین و دنیا میں نہایت نقصان پہنچایا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہم اس خیال کو چھوڑ دیں اور ہر بات کی تحقیق پر مستعد ہوں۔ خواہ وہ بات دین کی ہو یا دنیا کی۔ غور کرنا چاہیے کہ ہر گاہ زمانہ حادث ہے اور نئے نئے امور اور نئی نئی حاجتیں ہم کو پیش آتی ہیں۔ پس اگر ہمارے پاس زندہ مجتہد موجود نہ ہوں گے تو ہم مردہ مجتہدوں سے نئی بات کا مسئلہ جو ان کے زمانے میں حادث بھی نہیں ہوئی تھی کیوں کر پوچھیں گے۔ پس ہمارے لیے بھی مجتہد العصر والزمان کا ہونا ضروری ہے۔" جو لوگ ائمہ کبار کے اجتہاد کو حرفِ آخر سمجھتے ہیں اور ہر حال اور ہر زمانے میں ان کی تقلید کرنے کے قائل ہیں وہ لوگ سرسید کے نزدیک گمراہی میں مبتلا ہیں اور ان کا یہ غلط عقیدہ ائمہ کو وہ مرتبہ دینا ہے جو صرف رسول کے لیے ہے۔ کیونکہ ان کا یہ خیال ہے کہ "جس طرح خدا کو اپنی ذات وصفات میں وحدت ہے اسی طرح رسول کو تبلیغ احکام یا احکام شریعت کے قرار دینے میں وحدت ہے اور کسی کو اس میں شریک نہیں کیا جاسکتا۔ پس جو شخص رسول کے سوا کسی اور شخص کے احکام کو دین کی باتوں میں اس طرح پر واجب العمل سمجھتا ہے کہ اس کے برخلاف کرنا گناہ ہے اور اسی کی تابعداری کو باعث نجات یا ثواب سمجھتا ہے وہ بھی ایک قسم کا شرک کرتا ہے جس کو میں شرک فی النبوۃ سے تعبیر کرتا ہوں۔"

سرسید نے اپنے زمانے کے مسلمانوں کو دینی گمراہی سے بچانے اور اصلاح و ترقی کی راہ پر گامزن کرنے کے لیے ان کے عقائد درست کرنے کی جو کوششیں کیں وہ مسلمانوں میں ایک فکری و ذہنی انقلاب پیدا کرنے کی بنیاد بن گئیں۔ اور جدید دینی افکار کی تشکیل میں سرسید کے نظریات نے غیر معمولی اہمیت حاصل کرلی۔